تحقیق: عبدالرشید ارشد

عیسائیت کے کچھار

مشنری تعلیمی ادارے اور ہسپتال

قارئین کرام! زیرِ نظر مضمون پڑھنے سے پہلے دل تھام کر نوائے وقت لاہور کی "تازہ رپورٹ" بھی پڑھ لیں

مسلمانوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے

بائبل کارسپانڈنٹس سکول کی 5 شاخیں مختلف شہروں میں عیسائیت کی تبلیغ کے فروغ کیلئے کام کر رہی ہیں

1999ء میں 11 ہزار مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا جن میں سے 7 ہزار کا تعلق سندھ سے ہے: خصوصی رپورٹ

سمندری (اے این این) مشن اپیکٹ کے خفیہ آپریشن کے تحت مسلمانوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ ایک برس کے دوران ملک بھر میں 17 ہزار سے زائد افراد نے عیسائی مذہب قبول کیا ہے۔ عیسائی ہونے والوں میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو خوف، لالچ، دباؤ اور بہتر مستقبل کی خاطر مذہب تبدیل کر چکے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں عیسائیت کو فروغ دینے کیلئے عیسائی مبلغ پیٹر راہرٹسن گزشتہ پانچ سالوں سے پاکستان میں عیسائیت کو فروغ دے رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق 33ویں سالانہ مسیحی کنونشن کے موقع پر پیٹر راہرٹسن نے 129 مسلمانوں کو عیسائی کیا۔ عیسائی ہونے والوں میں 7 ہندو بھی شامل تھے جن کا تعلق تھرپارکر سے تھا۔ بائبل کارسپانڈنٹس سکول کی پانچ شاخیں مرکزی برانچ میانوالی، دوسری شاخ شکارپور، تیسری شاخ کراچی، چوتھی شاخ فیصل آباد اور پانچویں شاخ گجرات میں عیسائیت کی تبلیغ کے فروغ کے لئے کام کر رہی ہے۔ 1999ء میں ملک بھر میں 11 ہزار 771 مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا۔ جن میں سے صرف 7 ہزار کا تعلق صوبہ سندھ سے ہے۔ رپورٹ کے مطابق 1988ء میں ایشیا میں مسلمانوں کو عیسائی بنانے کیلئے ایک اور ادارہ دارالنجات قائم کیا گیا ہے، اس کا ہیڈ کوارٹر لندن میں ہے۔ پاکستان میں 1991ء میں اس نے کام شروع کیا۔ ملک بھر میں اس کے 7 دفاتر کھل چکے ہیں۔ یہ ادارہ مسلمانوں کو ملازمت بیرون ممالک بھجوانے اور بھاری رقوم ادا کر کے انہیں عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ 11 جولائی 2001)

کچھار شیر کی رہائش و آسائش گاہ کا معروف نام ہے اور اس نام کو مسیحی اقلیت کیلئے استعمال کرنا بظاہر درست نہیں کہ اقلیت بہر حال اقلیت ہے جو کبھی اکثریت کے مقابلے میں شیر نہیں ہو سکتی۔ مگر آج یہ سوچ غلط

ثابت ہو چکی ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسیحی اقلیت شیر ہے ......بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور اس پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہی کچھ ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں۔

خطۂ ہندوپاک میں تقسیم سے قبل پرتگیزیوں کے توسط سے عیسائیت متعارف ہوئی مگر باضابطہ اس کا پودا انگریزوں کی آمد سے ۱۶۹۸ء میں ہی لگ سکا۔ پنجاب میں ۱۸۳۴ء میں ویسٹرن فارن مشن کے جان لارے نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اپنے مشن سے متعارف کرایا۔ ہندوستان کے دوسرے خطوں سے زیادہ زور پنجاب کی طرف رہا، شاید اس لیے کہ اس کو پڑاؤ (Base) بنا کر ارد گرد کشمیر، سرحد اور افغانستان پر یلغار، مؤثر اور سہل بن سکتی تھی۔ اس دور میں دریائے ستلج کے ساتھ ساتھ بشپ ڈیوڈ مصروفِ عمل تھا۔

۱۸۴۵ء میں امریکن پریسبیٹرین چرچ نے وسطِ پنجاب میں لدھیانہ کو بطور مرکز چنا اور پھر لاہور میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اسی دوران ۱۸۳۵ء میں چرچ آف سکاٹ لینڈ سیالکوٹ کو مرکز بنا چکا تھا۔ چرچ مشنری سوسائٹی نے اپنے کام کا آغاز ۱۸۵۱ء میں کیا۔ ۱۸۴۹ء میں جب پنجاب انگریزی عملداری میں آیا تو موجودہ صوبہ سرحد بھی اسی کا حصہ ہوتا تھا۔ پیشتر ازیں عیسائی مشنریوں کا کام سرکار کی عدم سرپرستی کے سبب انتہائی سست تھا مگر جب برطانوی حکمرانوں کی سرپرستی ان کا مقدر بنی اور ان حکمرانوں نے اپنے مطلب کے معاون و مددگار ڈھونڈ کر انہیں جاگیر وں اور دیگر مراعات سے نوازا تو مشنریوں کا کام سہل ہو گیا۔ حکومت نے چرچ بنانے کیلئے ہی اپنے خزانہ سے امداد نہ دی بلکہ سکول و کالج اور ہسپتال بھی سرکاری امداد سے بنے۔ اس امداد سے جو مسلمان کے خون پسینہ سے خزانے میں جمع ہوئی تھی۔

سرکاری سرپرستی میں تعمیر شدہ چرچ مثلاً سینٹ جیمز کیتھڈرل، سینٹ میری لاہور میں بشمول گورڈن میموریل، سیالکوٹ میں ہولی ٹرینٹی، جہلم میں سینٹ جون، راولپنڈی میں کرائسٹ چرچ، سینٹ اینڈریوز اور سینٹ پال، مری میں ہولی ٹرینٹی، سینٹ ڈینیز، ڈونگا گلی میں سینٹ سائمن، سینٹ جودھا، ایبٹ آباد میں سینٹ لوکا، اٹک میں سینٹ پیٹرز، نوشہرہ میں کرائسٹ چرچ، مردان میں سینٹ البانز، کیمبل پور میں آل سینٹس، پشاور میں سینٹ جان، کرائسٹ چرچ اور آل سینٹس اور بنوں میں سینٹ جارج قابل ذکر ہیں۔

بات عبادت گاہوں سے آگے بڑھی تو عبادت گاہوں کی آڑ میں ہزاروں ایکڑ رقبہ ان کے نام مستقل الاٹ کر دیا گیا کہ عیسائیت قبول کرنے والے مرتد مسلمان بھوکے نہ مریں اور بطور مزارع ان زمینوں کو کاشت کریں۔ نسل در نسل عیسائیت کے غلام رہیں کہ مزارعت سے بے دخلی کا خوف ہدایت کے راستے کا پتھر بنا رہے گا کیونکہ اراضی کی ملکیت چرچ کے نام ہو گی۔ اس عیاری سے بہت سے دیہات وجود میں آئے جو آج تک اپنے ان محسنوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ مثلاً چند معروف دیہات یہ ہیں :

۱۔ کلارک آباد (ضلع قصور) یہ پہلے ضلع لاہور میں تھا۔ اس کی اراضی ۱۲۵۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۲۔ ینگسن آباد (ضلع سیالکوٹ) ڈاکٹر ینگ سن کے نام پر آباد ہے، اسے چک ۱۷ ۳ بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۸۹۹ء میں آباد ہوا تھا۔

۳۔ رونس آباد (ضلع منٹگمری) موجودہ ساہیوال۔ ۱۹۱۶ء میں پریس ٹیرین چرچ کے ڈاکٹر رونس نے الاٹ کروایا تھا۔

۴۔ سٹنٹس آباد (ضلع ملتان) یہ میتھوڈسٹ چرچ کے نام الاٹ شدہ ۱۰۰۰ ایکڑ اراضی کا گاؤں ہے جسے مشنری ڈاکٹر سٹنٹس نے الاٹ کروایا تھا۔

۵۔ منٹگمری والا (ضلع لائل پور) موجودہ فیصل آباد میں اینجلیکن چرچ کے نام الاٹ اراضی پر مشتمل عیسائی مزارعوں کا چک بنایا گیا۔

۶۔ ہملٹن آباد (ضلع منٹگمری) موجودہ ساہیوال میں ایسوسی ایٹڈ پریس بی ٹیرین چرچ کو الاٹ شدہ اراضی کا چک ہے

۷۔ مارٹن پور (شیخوپورہ) یونائیٹڈ پریسبیٹیرین چرچ کی ملکیت ہے۔ یہ چک کے بانی مسٹر مارٹن کے نام سے موسوم ہے

۸۔ سانتی نگر (ضلع ملتان) ۲۰۰۰ ہزار ایکڑ پر مشتمل چک سالویشن آرمی کی ملکیت ہے۔

علاوہ ازیں بعد کے ادوار میں بھی چرچ، سکول، کالج، فنی تربیتی ادارے اور مشنری ہسپتالوں کے نام پر انتہائی موزوں مقامات پر اراضی الاٹ کی جاتی رہی اور اسی طرح مسیحی بستیاں بھی بستی رہیں۔ مثلاً سکھیکی کے قریب مریم آباد کا معروف قصبہ ہے یا ضلع خوشاب میں چار چکوک ۱۵۹ ایم بی، ۳۶، ۳۷، ۳۸ فیصل آباد، چوہڑ کانہ (موجودہ فاروق آباد) سرگودھا، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، ٹیکسلا اور خوشاب وغیرہ میں رفاہی اداروں کے نام پر کئی کئی ایکڑ اراضی الاٹ ہوئی یہ پودا چونکہ انگریز بہادر نے لگایا تھا اس لیے اس کی آبیاری کا حق بھی انگریزی حکومت نے ادا کیا کہ آج یہ تناور درخت ہے۔

ہم یہ سطور اقلیتوں، خصوصاً مسیحی اقلیت پر، کسی "ناپسندیدہ حملے" کے طور پر نہیں لکھ رہے۔ کوئی ملک اقلیتوں کے وجود سے خالی نہیں ہے، کہیں مسیحی اقلیت ہیں تو کہیں مسلمان اقلیت ہیں۔ اقلیتوں کے حقوق بھی مسلم ہیں۔ ہر حکومت اور اس کے عوام کا یہ اخلاقی اور قانونی فرض ہے کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کا مکمل طور پر تحفظ کرے اور یہ "گلوبل فیملی" کے چارٹر کا حصہ بھی ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ سینۂ دھرتی پر اگر اقلیتوں کو تحفظ دیا ہے تو صرف اسلام نے، کائنات کا کوئی دوسرا مذہب اس میں برابری ثابت نہیں کر سکتا۔

حقوق کے تحفظ کی ضمانت کے ساتھ ساتھ اقلیتیں بھی فرائض سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی پابند ہوتی ہیں۔ کوئی بھی ہوش مند شخص اس بات کی تائید نہیں کرے گا کہ اقلیت فرائض کے تو بخئے ادھیڑے اور حقوق کے تحفظ کیلئے شور مچائے اور چاروں طرف اس کے اس رویے کو سراہا جائے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسیحی اقلیت اگر

حقوق کے واویلا کرنے میں پیش پیش ہے تو اکثریت کے دین اور دین واخلاق کے حوالے سے مطلوب اقدار کی پامالی میں بھی ہر لحہ مصروف ہے حالانکہ آئین میں قوانین وضوابط میں جو ضمانت فراہم کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ''اقلیوں کو اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق عملی زندگی گزارنے کی مکمل آزادی ہوگی''۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ہو یا کسی دوسرے ملک کا آئین کسی جگہ بھی اقلیتوں کو اکثریت کی مسلمہ اقدار کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ برطانیہ جو آزادی کا عالمی چیمپئن ہے، مذہبی اور اخلاقی اقدار تو رہیں ایک طرف وہاں محض ملکہ کے خلاف بات کہنا قابلِ تعریز جرم گردانا جاتا ہے مگر...... اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اکثریت کیلئے جن الفاظ کا چناؤ کیا جاتا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل مذمت ہیں، اکثریت کے دین کو ''جھوٹا دین'' زبانی ہی نہیں کہا جاتا بلکہ عملاً اور عمداً سر کلر عوام میں پھیلائے جاتے ہیں۔

عیسائیت کی مؤثر ترویج کیلئے اپنے تمام تر باہمی اختلافات (فرقہ وارانہ) کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پاکستان کرسچین کونسل نے جو لائحہ عمل طے کیا اور جو سابقہ منصوبہ بندی کا تسلسل ہی ہے، اسے مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ تعلیمی وفنی تربیتی اداروں کا جال ملک میں پھیلایا جائے، تعلیمِ بالغاں کی چھتری تلے مسلم گھرانوں تک رسائی۔
۲۔ طبّی خدمات کے نام پر اہم مقامات پر معیاری ہسپتال اور نسبتاً کم اہم مقامات پر ڈسپنسریاں اور موبائل یونٹ۔
۳۔ خوبصورت اسناد کے لالچ میں نوجوان مسلم لڑکے لڑکیوں میں بائبل کورس کے نام پر رسائی موثر بنائی جائے۔
۴۔ رفاہی اداروں کے بھیس میں مفادِ عامہ کے کاموں کی آڑ میں، مسلم عوام کی دہلیز تک عیسائیت پہنچائی جائے۔
۵۔ اسلامی انداز اختیار کرتے ہوئے کثیر تعداد میں لٹریچر تیار کیا جائے اور اسے بلا تخصیص عوام تک پہنچایا جائے۔

تعلیمی اور فنی تربیتی ادارے

یہ کام برطانوی حکومت کے دور میں انتہائی مؤثر طور پر شروع ہو چکا تھا مثلاً لاہور میں کانونٹ سکول اور ایف سی کالج، سیالکوٹ میں سکول اور مرے کالج، راولپنڈی میں گارڈن کالج وغیرہ۔ پھر بدلتے حالات کے ساتھ ساتھ جوں جوں وسائل بڑھے کم وبیش ہر ضلع اور تحصیل کی سطح تک مختلف مشنوں کے نام پر ''انگلش میڈیم'' سکول کھل گئے اور ان میں اس چمک کا خاص خیال رکھا گیا جو مسلمان گھرانوں کو ''اعلیٰ تعلیم'' کے حصول کی خاطر اپنے بچے بھیجنے پر مجبور کردے۔ چنانچہ آج ہر مسیحی مشنری سکول میں مسلمان بچوں کی تعداد مسیحی بچوں کی تعداد کے مقابلے میں کئی سو فیصد زیادہ ہے۔

مشنری سکولوں میں مسلم بچوں کی اکثریت ہے تو مسیحی فنی تربیتی اداروں میں صرف مسیحی بچے لیے جاتے ہیں ممکن ہے اشک شوئی کیلئے کوئی ایک آدھ مسلمان بچہ بھی ہو۔ یہ بات ہم محض ظن وگمان کی بنیاد پر نہیں کہہ رہے بلکہ اپنے عملاً تجربہ کے شواہد کی بنیاد پر کہہ رہے ہیں جو ان سطور کے راقم کو سرگودھا کالج روڈ کے ایک مسیحی ہائی سکول اور

فنی تربیتی ادارے کے علاوہ لاہور کے ایک کیتھڈرل ہائی سکول میں ایک ماہ لیکچرز کیلئے جانے کے دوران ہوا تھا۔

مشنری سکولوں میں، مسلمان والدین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے اسلامیات پڑھائی جاتی ہے، مسلمان معلم یا معلمہ، بالعموم معلمہ ہی ہوتی ہے مگر فی الواقعہ زور بائبل کو سامنے لائے بغیر بائبل کے مقاصد کی تکمیل پر ہی ہوتا ہے۔ نصابی اور غیر نصابی مصروفیات کا نقطۂ عروج مسلمان بچے بچوں کے ذہن سے اسلامی تعلیمات واقدار کو کھرچ کھرچ کر نکالنا ہوتا ہے اور مسلمان معلمات اپنی تنخواہ کی مجبوری، عدم دینی تربیتی گھریلو ماحول اور مسیحی معلمات کے مقابلے میں فیشن ایبل رہنے کے سبب بچوں کی بگڑتی صورت سے بے خبر دیکھی جاتی ہیں اور رہے والدین تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں ہوتا جب بچہ ٹائی، پتلون اور انگریزی کے چار جملوں کے ساتھ گھر میں قدم رکھتا ہے۔ ماں "ماما" یا "مام" بن جاتی ہے اور باپ "ڈیڈی" سے "ڈیڈ" بن جاتا ہے۔ یہی نسل تیار کرنا ان کا مطمحِ نظر ہے۔

بہت سے لوگ ہماری اس بات کو "فنڈامینٹلزم، کا ہیضہ یا بخار" کہیں گے، متعصب ہونے کا طعنہ تو عام بات ہے ہی، مگر یہی فتویٰ لگانے والے جو آج پاکستان کی قسمت کے امین بنے انتظامیہ کے کل پرزے ہیں، ایسے انگلش میڈیم سکولوں کی تعلیم وتربیت سے فیض یاب اگر اپنے اندر جھانک کر اپنے ضمیر سے سوال کریں کہ ہم نے گزشتہ ۵۳ سال میں نظریاتی مملکتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اس کے بنیادی نظریہ کے حوالے سے کیا دیا تو اندر سے جواب نفی میں ملے گا اور سوال کو ذرا پھیلا کر ضمیر سے یہ پوچھ لیا جائے کہ وطن کی مٹی کو کچھ کیوں نہ دے سکے؟ تو جواب ملے گا کہ انگریز کے بنائے گئے سکولوں اور تعلیمی نظام سے ایسا ممکن نہ تھا اور نہ ہی آج ہے۔ یہ تو ہم سب کو معلوم ہے کہ ضمیر کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

مشنری تعلیمی اداروں کی غیر نصابی سرگرمیاں

ان اداروں کی انتظامیہ سوچ سمجھ کر، اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے حوالے سے مرتب کرتی ہے۔ یہ فینسی ڈریس شو ہوں، یہ ٹیبلو ہو یا میوزیکل پرفارمنس، سب سے مطلوب اقدار کا قتلِ عام ہے۔ اقدار جو زندگی کی طلب گار ہر قوم کا حقیقی سرمایہ ہوتی ہیں۔ جن کے بغیر اقوام کی ملی عمارت بوسیدہ ہو کر دھڑام سے زمین بوس ہو جاتی ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مشنری تعلیمی اداروں کا جال، سرکاری سرپرستی میں، اسلامی رواداری کے نام پر جو گل کھلائے گا، مستقبل کے پاکستان کیلئے جس استحکام اور خوشحالی کا پیغام لائے گا اسے ہر ذی ہوش ماضی کے ۵۳ سالوں کے آئینے میں دیکھ سکتا ہے۔

ہماری مذکورہ گزارشات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں کہ ہم خدانخواستہ مشنری سکولوں کے قیام کے خلاف ہیں۔ اپنے بچے بچیوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کیلئے معیاری ادارے چلانا اقلیت کا حق ہے مگر اسے اقلیت تک محدود رکھنا ان کا فرض ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان والدین اپنی آزاد مرضی سے اپنے بچے بچیوں کو بھیجتے ہیں ہم کہ دل

سے کھینچ کر تو نہیں لاتے۔ یہ بات یقیناً وزنی ہے۔ مسلمان والدین کو اپنی اولاد کی تربیت و تعلیم کے حقیقی تقاضوں کا ادراک کرتے ہوئے سوچنا چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کا مستقبل کن کے سپرد کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ عوام کے حقوق کی حفاظت کیلئے ذمہ دار حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک کے تعلیمی نظام کو مملکت کے بنیادی نظریہ سے ہم آہنگ رکھنے کیلئے نظامِ تعلیم میں یکسانیت پیدا کرے تاکہ قوم ایک ہی معیار پر اٹھے یعنی تعلیمی اداروں پر اجارہ داری ختم ہو۔

ہسپتال، فری ڈسپنسریاں اور موبائل یونٹ

عیسائیت پھیلانے کا یہ دوسرا موثر ہتھیار ہے۔ راقم الحروف کو مشنری ہسپتالوں میں جانے کا موقع ملا ہے اور ایک بات ذاتی مشاہدے میں آئی تو دوسری شنید ہے۔ بہر حال دونوں باتیں آپ کے سامنے رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ پہلی بات جو مشاہدے میں آئی یہ ہے کہ مریض کے بنائے گئے یا ترتیب دیئے گئے کمرۂ انتظار میں میز پر عیسائیت کی ترغیب پر مبنی چھوٹے چھوٹے دو ورقے، کتابچے رکھے ہوتے ہیں کہ انتظار کی لذت ""انجوائے" کرنے والا مریض ان کو پہلے الٹ پلٹ کر رکھے گا پھر کوئی دو ورقہ کتابچہ اٹھا کر ورق گردانی کریگا اور بالآخر پڑھے گا بھی اور ممکن ہے بات اثر کر جائے۔

انتظار ختم ہونے پر مریض کا ڈاکٹر سے آمنا سامنا ہو گا۔ ڈاکٹر انتہائی اخلاص اور ہمدردی سے چیک کرنے کے بعد جو تشخیصی نسخہ دے گا اس پر بائبل سے دعائے شفاء لکھی ہو گی۔ انسانی فطرت ڈاکٹر کی ہمدردی اور طریقۂ تشخیص سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی اور یہی بیج بالآخر مسیحیت کا درخت بن جاتا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ہسپتال میں داخل مریضوں کو پہلے بسم اللہ پڑھ کر دوا کھانے کو کہا جاتا ہے مگر دوائی کی کوالٹی اور مقدار غیر تسلی بخش ہوتی ہے پھر چند روز بعد تسلی بخش خوراک یہ کہہ کر کھلائی جاتی ہے کہ خداوند یسوع مسیح کا نام لے کر شفاء کی دعا کے ساتھ کھاؤ کہ انہیں تو اللہ نے مردہ تک زندہ کرنے کا معجزہ دیا تھا چنانچہ یہاں بھی "معجزہ" ہی ہو جاتا ہے اور پھر کبھی کبھار مریض ایمان کی بازی ہار کر ہسپتال سے فارغ ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی ہندو زمیندار کا گدھا وزنی بوجھ کے ساتھ دلدل میں پھنس گیا۔ اس نے گدھے پر ڈنڈے بھی برسائے اور "بھگوان کی بینتا" (منت) بھی کی مگر دلدل سے نکلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ ایک مسلمان کسان کا گزر ہوا تو لالہ کی بے بسی دیکھتے ہوئے اس کی مدد کو لپکا اور اس سے کہنے لگا کہ لالہ بھگوان کو یاد کرو مگر لالہ چونکہ بھگوان کو آزمائے بیٹھا تھا خاموش رہا۔ مسلمان کسان نے اچانک گدھے کو ڈنڈا رسید کرنے کے ساتھ ہی باآواز بلند اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ گدھا اس ضربِ شدید اور بلند آواز کے سبب بدک گیا اور دلدل سے باہر آ گیا۔ لالہ بڑا حیران ہوا، اس نے مسلمان کسان سے پوچھا کہ ڈنڈے تو میں نے اسے بہت لگائے، دل میں دعائیں بھی کیں...... مگر تم نے یہ ڈنڈے کے ساتھ کون سی آواز نکالی۔ کسان کہنے لگا میں نے اپنے بھگوان کو پکارا تھا۔ لالہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا تو میرا بھگوان دلدل کے معاملے میں کمزور پڑا۔ یہی کچھ مسیحی ادویات کے حوالے سے شاید مسلمان کو سمجھا کر چتمہ دیتے ہیں۔

خط و کتابت کے بائبل کورسز

نوجوان لڑکے لڑکیوں میں خوبصورت اسناد کے حصول کے شوق سے فائدہ اٹھانے میں بائبل کارسپانڈنس کورسز کو بہت تقویت ملی اور ملکی حدوں سے نکل کر یہ بین الاقوامی فاصلوں کی زد میں آگئے۔ آج پاکستان کے بڑے شہروں میں قائم اس نیٹ ورک کا دائرہ جرمنی، سوئٹزرلینڈ، برطانیہ اور امریکہ وغیرہ تک پھیل چکا ہے جہاں سے خوبصورت کتابچوں اور تحائف کے سیٹ بلا طلب گھر میں پہنچنے پر ہی متعلقہ شخص آگاہ ہوتا ہے۔ یہ اس طرح کہ پہلے ''شکار'' سے اس کے شناساؤں اور احباب کے پتے خاموشی سے لے لیے، پھر اس کے ذریعے ان کے شناساؤں کے اور یوں ''شکار'' کی چین بنتی چلی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کرسچینز سٹڈی سنٹر بھی فعال ہیں۔

بائبل کورسز کے ساتھ ملنے والے خط میں ''دشمن'' (مسلمان والدین، بہن بھائی یا احباب) سے ہوشیار رہنے اور بچ بچا کر لٹریچر پڑھنے کی ہدایت کی جاتی ہے اور ''شکار'' سے کہا جاتا ہے کہ اپنے دوستوں کے پتے ارسال کریں ہم آپ کا ذکر کیے بغیر انہیں بھی کتب کا سیٹ اور تحائف ارسال کریں گے۔

رفاہی اداروں کے بھیس میں عیسائیت کے مقاصد کی تکمیل

ملکی آقاؤں نے اسلام دشمنی کیلئے خفیہ طریقے سے سرمایہ اندرون ملک بھیج کر بدنام ہونے کی بجائے انتہائی محفوظ طریقہ یہ سوچا کہ مسیحی این جی اوز بنا کر انہیں رفاہی کاموں کے لیے مردوزن میں ''بیداری'' پیدا کرنے کی خاطر کھلے عام کثیر وسائل فراہم کیے جائیں۔ یوں ہمارا نام محسنوں کی فہرست میں رہے گا اور ان (NGOs) کی وساطت سے ہمارے اہداف کی تکمیل بھی سہل ہو جائے گی۔ صوبائی اور وفاقی سطح پر گزشتہ ربع صدی میں مسیحی NGOs ''برسات میں کھمبیوں کی طرح'' دیکھنے میں آئیں۔ مظاہرے حقوق نسواں کے حق میں ہوں یا اسلامی نظام قانون کے خلاف اوپر بیان کیے گئے مسیحی دیہات سے مظاہرین بسوں میں بھر کر لائے جاتے ہیں اور ''کامیاب مظاہروں'' سے حکومت پر دباؤ بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مسیحی لٹریچر کی تیاری اور اشاعت

یوں تو ملک میں بے شمار جگہ مسیحی لٹریچر چھپتا ہے مگر لاہور میں بائبل سوسائٹی اور شاداب مرکز خاص طور پر مسیحی لٹریچر تیار کر کے عامۃ الناس میں تقسیم کرتے ہیں یہ لٹریچر قیمتاً بھی فروخت ہوتا ہے اور مفت بھی ملتا ہے۔ اس میں اس بات کا خیال بھی رکھا جاتا ہے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ میں مسیحیت چھپی رہے۔ ایسا لٹریچر خصوصیت کے ساتھ گوجرانوالہ کے تعلیم بالغاں پراجیکٹ کے حوالے مسز ستنام محمود کی نگرانی میں تیار کیا جاتا ہے۔ یہ لٹریچر میلوں ٹھیلوں میں مظاہروں کے دوران یا دفاتر اور بازاروں میں مسیحی کارکن تقسیم کرتے ہیں۔

عیسائیت اپنے پھیلاؤ کے لیے آفاتِ ارضی و سماوی یعنی زلزلوں، سیلابوں، بیماریوں یا منشیات کے عادی لوگوں

کے علاوہ غربت کے مارے عوام کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتی ہے مثلاًبوسنیا، کسووا، چیچنیا کی تباہی کے بعد کیمپوں سے امداد کے نام محسنوں کے روپ میں مسلمان بچوں کو یورپی ممالک میں لے جایا گیا۔ ترکی کے زلزلہ زدگان ہوں یا بھارت کے UNO کی پابندیوں کے سبب افغان ہوں یا ایرانی یا عراقی NGOs کی رفاہی سرگرمیوں کی آڑ میں مسلمان کے دین وایمان کے "سودے" ہوتے ہیں۔ ہم کھلے دل سے ان کے اس "طریقہ واردات" کو سراہتے ہیں اور سچے دین کے ان "داعیوں" کے عقل وشعور کا ماتم کرتے ہیں جو محشر کی حاضری اور جواب دہی سے بے نیاز اپنی سیاست اور اپنی "تبلیغ" میں مگن ہیں۔

عیسائیت کا چارہ بننے والے "مرتدوں" کو جہنم بھیجنے کا فرمان جب صادر ہو رہا ہو گا تو اگر انہوں نے قادرِ مطلق کے عدل سے یہ فریاد کر دی کہ ہمارے عادل رب! ذرا ان عوامل کو بھی دیکھ لے جنہوں نے ہمیں آج اس فیصلے تک پہنچایا تو بے شمار جبہ ودستار والے وارثانِ محراب و منبر اور خادمانِ دین اس کی زد میں آجائیں گے کہ مسیحی سماجی کارکن جب تمہارے بچے اچک کر لے جا رہے تھے تو تم کہاں تھے؟ کیا تمہارے پاس وسائل کی کمی تھی یا جگہ نہ تھی جہاں انہیں رکھ سکتے؟

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عیسائیت کی بڑھوتری میں شرح فیصد خاصی تشویشناک ہے خصوصاً اہم علاقوں میں (Strategic Points) پر جلدی میں ہمیں تازہ ترین اعداد و شمار نہیں مل سکے مگر میسر اعداد و شمار بھی کم چونکا دینے والے نہیں۔ یہ بات نظر انداز کرنے کی نہیں سوچنے کی ہے!

بعض سرحدی اضلاع میں بڑھوتری کی شرح فیصد

بہاولنگر 157%	رحیم یار خان 632%	خیرپور 180%
تھرپارکر 643%	ٹھٹھہ 950%	حیدرآباد 765%
سکھر 336%	بہاولپور 524%	فاٹا اور اسلام آباد 965%

صوبائی سطح پر بڑھوتری کی شرح فیصد

پنجاب 164%	سندھ 682%	سرحد 986%	بلوچستان 411%

ہم سال بھر میں چند ایسے اعلانات سے خوش ہو لیتے ہیں کہ فلاں شخص نے یا خاندان نے فلاں مولانا کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا مگر بلا اعلان اندر ہی اندر، نمی میں کھٹمل کی بڑھوتری کی طرح، عیسائیت کی دیمک اسلام کے تناور درخت کو جس طرح چاٹ رہی ہے اور اس کے تعلیمی ادارے اور ہسپتال خصوصیت کے ساتھ جو گل کھلا رہے ہیں ہمارے اربابِ فکر و نظر کو اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ ہم رواداری کے مظاہروں میں حقوق عطا کرنے میں اس قدر مصروف دیکھے جاتے ہیں کہ بے لگام اقلیت سے یہ مطالبہ کرنے کی فرصت ہی نہیں کہ حقوق کے ساتھ فرائض بھی مطلوب ہیں...... یا شاید مغربی آقاؤں کا خوف ہے!!! (بشکریہ: ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ جون ۲۰۰۱ء)

جنت کی ضمانت حضورِ اقدس ﷺ کی زبانی

اثرِ خامہ : محمود مرزا جہلمی مدیر اعلیٰ ہفت روزہ "صدائے مسلم" جہلم

حدیثِ افتراقِ امت کا ایک حالیہ مطالعہ اس تحریر کا باعث ہوا۔ یہ حدیث شریف بارہا اس سے قبل بھی مطالعہ میں آئی مگر...... اس مرتبہ ایک نئے انداز سے فکر انگیز ہوئی، وہ یہ کہ جملہ اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں، بلا اختلاف اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ رضائے الٰہیہ کے حصول کا فرید و وحید ذریعہ حضورِ اقدس کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرائی ہے۔ قرآن مجید اس مضمون سے معمور ہے کہ جب مسلمان اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے تو وہ فلاحِ دارین پائیں گے اور آخری انعام کے طور پر ابدی جنت پائیں گے

حدیث افتراقِ امت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ ناجی اور باقی سب ناری ہوں گے"۔ یہاں اس ذکر نے جنم لیا کہ اگر سارے اہلِ اسلام ایک فرقے میں مدغم ہو جائیں تو بھلا سارے ہی جنت میں نہ چلے جائیں گے؟ بشارت مخبرِ صادق نے دی ہے ان کے برحق ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف کا مفہوم یہ نہیں کہ امت کا ۷۳ فرقوں میں بٹنا کوئی مشیت یا تقدیرِ الٰہیہ ہے، یہ افتراق تو بندے خود کریں گے...... سو حدیثِ مبارکہ عملِ افتراق کی مذمت کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ سب اہلِ اسلام اگر جنت کی یقینی ضمانت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ایک فرقہ بن جائیں، میرے خیال میں موقع و محل کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں ایک فرقہ کی جگہ ایک جماعت لکھا جائے کیونکہ فرقہ دوسرے فرقے کو مستلزم ہے، جبکہ اسلام جماعت کا داعی ہے اور ﴿ولا تفرقوا﴾ کا حکم دیتا ہے۔

الحمد للہ! امت اپنے تئیں اہل سنت کہلانے میں ہی فخر محسوس کرتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے اپنے مسلک کا لاحقہ بھی لگاتی ہے جو اس سرمایۂ اتحاد میں سنید لگانے کے برابر ہے اور اس جماعت کو فرقوں میں منتشر کر دیتا ہے۔

مسالک میں بٹے ہوئے لوگ بلکہ مذاہب و ادیانِ باطلہ کے پیروکار بھی اپنے اپنے مسلک اور اپنے اپنے دین کی حقانیت پر حق الیقین رکھتے ہیں اور ان کی صداقت پر ایمان کامل اس طرح رکھتے ہیں کہ ان پر چل کر وہ فلاح دارین پا جائیں گے اور اس کے نتیجے میں جنت میں چلے جائیں گے، مثلاً...... بت پرست ہندو اسی طرح سورگ میں جانے کا یقین رکھتا ہے جس طرح توحید پرست مسلم رکھتا ہے کوئی بھی عقل مند انسان کسی مسلک یا کسی دین پر کسی مخمصے کے ساتھ کاربند نہیں رہتا ہے اور اگر اس کا یقین کسی مرحلہ پر متزلزل ہو جائے تو وہ بلا تأمل اپنا مسلک یا دین